© rasailojaraid.com

جنگ-سیاسی مقاصد کے حصول کا ذریعہ
اسرائیل کی عسکری نفسیات

سلیم ظفر

تعارف

اسرائیل میں عسکری معاشرے کے ارتقاء اور سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے طاقت کے استعمال کے رجحان کو سمجھنے کے لیے اسرائیل کے قیام سے پہلے رونما ہونے والے ان واقعات کا تجزیہ مفید ہوگا جو موجودہ اسرائیل کی عسکری و معاشرتی نفسیات کی تخلیق کا باعث بنے۔

فلسطین کی مختصر یہودی آبادی کا عثمانیہ سلطنت کے خلاف در پردہ عسکری محاذ بنانے سے لے کر صیہونی تحریک کی قیام اسرائیل کے لیے جنگ تک متعدد ایسے واقعات ہیں جن کا مطالعہ تنازعہ فلسطین کے حوالے سے عسکری طاقت کے استعمال کی اہمیت کو واضح کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔ اس تحقیقی مطالعہ سے چند اہم سوالات کے جوابات بھی حاصل ہو سکتے ہیں مثلاً یہ کہ: کیا خطہُ فلسطین میں بسنے والے یہودی فلسطینیوں کے تشدد کا شکار تھے؟ کیا یہودی عسکری صلاحیت کا حصول اور استعمال بنیادی طور پر دفاعی تھا؟ اور کیا جنگ کا اسرائیلی قومی پالیسی کا لازمی جزو بن جانا ردعمل کی بناء پر تھا؟

عسکری تسلط، بالخصوص فلسطین پر صیہونی قبضے، کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ جو قومیں مقامی آبادی کو بے دخل کر کے وجود میں آتی ہیں وہ سیاسی، تزویراتی، معاشی، سماجی اور نظریاتی مقاصد کے لیے تشدد کو ذریعہ کے طور پر استعمال کرنے پر نسبتاً زیادہ مائل ہوتی ہیں۔ مقامی آبادی کا جبراً انخلاء فوراً خاص قسم کے حالات کو جنم دیتا ہے جس میں نقصان اٹھانے والا نقصان پہنچانے والے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ تشدد کا یہ سلسلہ قبضہ کے نتیجے میں قائم ہونے والے اور مقبوضہ معاشرہ، دونوں میں خوف کو جنم دیتا ہے جس کے باعث دونوں قومیں

سلیم ظفر انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد میں ریسرچ کوآرڈی نیٹر برائے مطالعہ مشرقِ وسطیٰ ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے جان و مال کے تحفظ کے لیے ہمہ وقت ہوشیار رہتی ہیں اور نتیجتاً ایک دوسرے پر دسترس حاصل کرنے کے لیے جنگ کرنے کا مشکل فیصلہ آسان بن جاتا ہے۔

عرب اکثریتی فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام کے نظریہ کا ایک منفرد پہلو یہ بھی ہے کہ طاقت کے استعمال کا اخلاقی جواز مذہبی نظریات اور آسمانی کتب سے اخذ کیا جاتا ہے جس سے ایک ارضی تنازعہ یہ ثابت کرنے کی جدوجہد میں تبدیل ہوجاتا ہے کہ ''آیا فرمانِ الٰہی حق ہے۔'' اس طرح ایک معاملہ جو دنیا کے کسی بھی خطے میں ایک خالصتاً سیاسی مسئلہ ہوسکتا ہے، قوم یہود کے وطن کے قیام کے سلسلے میں ایک نظریاتی جنگ کی صورت اختیار کرلیتا ہے جس کے حق میں مغرب سے بالعموم اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے بالخصوص ''انتہائی دائیں باز کے نظریہ پرست'' کھچے چلے آتے ہیں یہاں تک کہ ''مشترکہ یہودی و نصرانی روایات'' کی پاسداری کے لیے وہ ''فلسطین میں یہودی ریاست کی دیکھ بھال اور اس کے پھیلاؤ کی ذمہ داری'' اٹھانا باعثِ افتخار سمجھتے ہیں۔

اسرائیل کا ''برتری حاصل کرنے'' اور ''دشمن کو کلی طور پر مطیع بنانے'' کے لیے ''مقتولین کی تعداد کی پروا کیے بغیر طاقت کے بے دریغ استعمال'' کے لیے تیار رہنا اسی پس منظر میں ہے اور اسی بناء پر اسرائیلی عسکری نفسیات کے ارتقائی عمل کو سمجھنا، اسرائیل کی بقاء اور پھیلاؤ میں جنگ کی اہمیت اور یہودی عسکری گروہوں کو دنیا کی طاقتور عسکری قوت بنانے میں بڑی طاقتوں کے کردار کا جائزہ لینا مزید اہم ہوجاتا ہے۔

اسرائیل کی عسکری نفسیات کا ارتقاء

فلسطین قبل از جنگ عظیم اوّل: بیسویں صدی کے آغاز میں فلسطین میں بہت سے یہودی عسکری گروہ سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے بننا شروع ہوئے۔ ان غیر قانونی عسکری گروہوں کا مقصد یہودی نو آبادیوں کو رضا کارانہ بنیادوں پر حفاظت فراہم کرنا تھا اور ان کی معاونت ''قومی یہودی فنڈ'' کے ذریعے کی گئی۔ صیہونی رہنماؤں کو احساس تھا کہ مربوط اور منظم آباد کاری کی تحریک کے لیے مالی معاونت انتہائی اہمیت کی حامل ہے جس سے دنیا بھر میں بکھرے ہوئے یہودیوں کو فلسطین منتقل کرنا اور نو آباد کار معاشرہ قائم کرنا نسبتاً آسان بنایا جاسکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگرچہ صیہونی تنظیم اپنے منصوبے کے لیے مغربی طاقتوں کی حمایت حاصل کرنے میں سرگرم عمل تھی لیکن وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں تھی کہ نوے فیصد سے زائد عرب آبادی والے ملک میں بڑے پیمانے پر یہودیوں کی منتقلی اور فلسطین میں نو آبادیوں کے قیام سے کس قسم کے مضمراتِ جنم لیں گے۔ بادی النظر میں اس تحریک کے نتیجے میں اٹھنے والا سب سے اہم مسئلہ دو مختلف نظریات کی حامل قوموں کے مابین پُر تشدد ٹکراؤ کا خدشہ تھا جو زمینی حقائق کی روشنی میں مستقبل قریب میں ہی اٹھتا نظر آ رہا تھا۔ چنانچہ صیہونیوں نے چھوٹے چھوٹے یہودی عسکری گروہوں کو منظم کر کے ایک مربوط یہودی فوج کی تشکیل کے لیے کوششیں تیز کر دیں۔ ان کوششوں نے فلسطین میں یہودی قوم کے ''ایک خاص (نہ کہ منفرد) قسم کے عسکری معاشرے'' کی بنیاد رکھی۔ ''یہ 'شہری عسکریت' نہ صرف ایک ثقافتی ضابطہ کی حیثیت رکھتی ہے بلکہ ایک ایسے تنظیمی اصول کے طور پر دیکھی جاسکتی ہے جس کی بنیاد پر اسرائیلی معاشرے کا یک بڑا طبقہ منظم کیا گیا۔''

سیاسی محاذ پر صیہونی تنظیم کا فلسطین کے حوالے سے منصوبہ برطانوی سلطنت کی استعماری حکمتِ عملی اور مذہبی خواہشات کی تکمیل کے عین مطابق نظر آ رہا تھا جس کے ذریعے تاج برطانیہ عثمانیہ سلطنت کے زیرِ انتظام مشرقِ وسطیٰ کے اہم تجارتی اور توانائی کی ترسیل کے راستوں اور فلسطین کے مقدس علاقوں تک اپنی سلطنت کو پھیلانا چاہتا تھا۔ چنانچہ پہلی جنگِ عظیم کے دوران ''برطانوی اور صیہونی تعلقات کی ۱۹۱۷ء کی تاریخ ان دو گروہوں کے اشتراک کی تاریخ کے طور پر دیکھی جاسکتی ہے جس میں دونوں ہی اپنے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے فلسطین پر برطانوی راج چاہتے تھے۔'' یہودیوں کو اس اشتراک کے نتیجہ میں توقع تھی کہ ''فلسطین میں یہودی ریاست قائم کرنے کا خواب'' پورا ہو سکتا تھا اور ''برطانیہ سمجھتا تھا کہ نہر سوئز کے مشرقی حصے میں ممنون یہودی آبادی ان کی مددگار ثابت ہوگی۔'' اس طرح صیہونی - برطانوی اشتراک فلسطین میں کسی عالمی طاقت کا صیہونی منصوبہ کی معاونت کرنے کا نقطۂ آغاز کہا جاسکتا ہے۔ سلطنت برطانیہ نے چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس موقع پر دوہرا کھیل کھیلا: ایک طرف اس نے عربوں سے عرب ریاستوں پر مشتمل وفاق کے قیام کا وعدہ کیا جس میں عربوں کو یقین دلایا گیا کہ برطانیہ انھیں عثمانیہ سلطنت سے آزادی حاصل کرنے میں مدد دے گا اور جتنے علاقے عرب آزاد کروائیں گے ان پر عربوں کو حقِ حکمرانی حاصل ہوگا۔ دوسری طرف ''یہودیوں سے بالفور معاہدہ کے تحت فلسطین میں یہودی مہاجرت اور نو آبادیوں کے قیام کا حق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تسلیم کرنے کا پیمان باندھا گیا۔'' بالفور معاہدہ پہلا باضابطہ ضمانت نامہ تھا جس میں 'قومِ یہود کا وطن' باقاعدہ طور پر لکھا گیا۔

یہودی عسکریت پسندوں نے پہلی جنگ عظیم کے دوران اپنے حصے کا کردار ادا کرتے ہوئے سلطنت عثمانیہ اور جرمن فوجوں کے حوالے سے جاسوسی کا کام سرانجام دیا۔ اس دور میں مشرقِ وسطیٰ کے میدان جنگ میں صف آراء برطانوی فوج کے تعاون سے پہلے باقاعدہ یہودی فوجی دستے قائم کیے گئے جن میں فلسطین، برطانیہ، امریکہ اور دوسرے ممالک کے یہودیوں کو رضاکارانہ یا معاوضہ کے تحت بھرتی کیا گیا اور یہودی نوجوانوں کو منظّم عسکری تربیت اور تنظیم سازی کا تجربہ حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں فوجی سازوسامان جمع کرنے کا موقع ہاتھ آیا جو بعد کے دور میں یہودی عسکریت پسندوں کے لیے نہایت مفید ثابت ہوا۔ ان یہودی فوجی دستوں کے قیام سے صیہونی رہنماؤں کے طاقت کے حصول سے متعلق مستعدانہ طرزِ عمل کی طرف اشارہ ملتا ہے جسے وہ سیاسی مقاصد کے حصول اور دشمن پر دسترس حاصل کرنے کے لیے ایک مفید آلہ کار کے طور پر استعمال کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

ایسے موقع پر جب کہ صیہونی۔ برطانوی گٹھ جوڑ خفیہ طور پر پروان چڑھ رہا تھا، اتحادی فوجوں کے ہم رکاب ترکوں کے خلاف لڑنے والے عرب رہنماؤں نے غلط فہمی کی بنیاد پر یہ یقین کر لیا تھا کہ عرب علاقوں پر عربوں کی حکمرانی کے برطانوی وعدہ میں فلسطین بھی شامل ہوگا۔ تاہم ۱۹۱۹ء کی امن کانفرنس میں جنگِ عظیم اوّل میں حاصل ہونے والی کامیابی پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے برطانیہ نے فرانس سے ایک معاہدہ کیا جس کے تحت فلسطین اور موصل پر برطانیہ کا حق تولیت اور ملک شام کے علاقہ پر فرانس کی تولیت تسلیم کر لی گئی۔ نتیجتاً اپریل ۱۹۲۰ء میں برطانوی فوجوں کے شام سے انخلاء پر فرانس نے شام میں اپنی فوج داخل کر دی اور شامی حکمران شاہ فیصل اول کی فوجوں کو وہاں سے بے دخل کر دیا گیا۔ شاہ فیصل نے جسے برطانیہ نے شام پر حکومت قائم کرنے میں مدد دی تھی جنوری ۱۹۲۱ء میں برطانوی دفتر خارجہ میں اپیل کی اور یہ موقف اختیار کیا کہ فلسطین کا علاقہ نو آزاد عرب علاقوں کا حصہ ہے۔'' شاہ فیصل کا یہ مؤقف عربوں کا فلسطین سے متعلق وہ دعویٰ ہے جسے برطانیہ نے اس وقت اور بعد ازاں بھی ماننے سے انکار کر دیا۔''

بالفور معاہدہ کے تخلیق کار 'آرتھر بالفور' نے تنازعہ فلسطین کے حوالے سے برطانوی پالیسی کو واضح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہوئے کہا ''فلسطین میں صیہونیت کی حفاظت برطانیہ کی واضح پالیسی ہے... ترقی، ہر قسم کے صنعتی منصوبے اور مالی معاونت کا انحصار اسی اصول پر ہوگا کہ فلسطین میں صیہونی مقرب ترین قوم ہے... فلسطین میں کسی قسم کے استصواب رائے میں دنیا بھر کے یہودیوں سے رائے لی جائے گی۔''

بعدازاں پیش آنے والے واقعات نے لارڈ آئی لنگٹن کے خدشات کو درست ثابت کیا جنھوں نے فلسطین کی صورتحال کا باریک بینی سے جائزہ لینے کے بعد صیہونیت کی وفادار حکومتوں کو خبردار کیا تھا کہ ''(فلسطین پر برطانوی) تولیت تاج برطانیہ پر ایک ایسے علاقہ میں صیہونیوں کی سیاسی بالادستی قائم کرنے کی ذمہ داری عائد کرتا ہے جہاں نوے فیصد آبادی غیر صیہونی اور غیر یہودی ہے... ایک اجنبی بدیسی نسل کو مقامی آبادی کے درمیان لاکر آباد کرنے کا منصوبہ اس دور میں نمو پذیر رجحانات میں سے سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ یہ ایک غیر منطقی اور غیر فطری تجربہ ہے... یہ منصوبہ حقیقی طور پر ایک بڑی تباہی کا مژدہ ہے۔''

فلسطین بعد از جنگِ عظیم اوّل: حقیقتاً تباہی اس خطے کے لیے بعدازاں روزمرہ کا معمول ثابت ہوا۔ عربوں اور یہودیوں کے مابین خلش شاہ فیصل اور اس کی افواج کے دمشق سے بے دخل ہونے پر واضح طور پر ابھر کر سامنے آگئی کیونکہ فلسطینی عربوں کو یقین ہوگیا کہ برطانوی حکومت فلسطین کی مقامی اکثریتی آبادی کی خواہشات کو ملحوظ رکھنے میں قطعی سنجیدہ نہیں تھی۔ ستم بالائے ستم برطانوی حکومت نے ایک برطانوی یہودی ہربر سیموئیل کو فلسطین میں اپنا نمائندہ (ہائی کمشنر) مقرر کردیا اور صیہونی کمیشن نے فلسطین میں ایک پرجوش مظاہرہ کیا جسے یہودی اخبارات نے فلسطین میں یہودی بالادستی سے تعبیر کیا۔ ساری دنیا سے یہودی مہاجر اور آبادکار بڑی تعداد میں امن کانفرنس کے بعد فلسطین میں منتقل ہونا شروع ہوگئے اور انہیں بالفور معاہدہ میں یہودیوں سے کیے گئے وعدے اور برطانوی تولیت پر عائد کی گئی ذمہ داری کے مطابق مدد فراہم کی گئی۔

فلسطینیوں کے خدشات اس وقت مزید بڑھ گئے جب ۱۹۲۱ء میں یومِ نبی موسیٰ کے تہوار پر یہودیوں کا دیوار گریہ پر اجتماع ہوا۔ اس کے علاوہ سن ۱۹۲۰ء سے یہودیوں کی طرف سے کی جانے والی ہتھیاروں کی سمگلنگ فلسطینیوں کے لیے ایک مستقل پریشانی کا باعث تھی جس کی شدت اس وقت مزید بڑھ گئی جب ۱۹۲۱ء میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حیفہ میں عرب مزدوروں نے زرعی اور تعمیراتی سامان میں یہودی عسکریت پسندوں کے لیے چھپا کر لایا گیا اسلحہ برآمد کیا۔

ان تمام عوامل نے یہ مضبوط تاثر پیدا کر دیا کہ عربوں کی اکثریت کو بتدریج اقلیت میں تبدیل کرنے کے خفیہ منصوبے پر عمل کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اس پیدا ہوتی نئی صورتِ حال پر عربوں نے شدید احتجاج کیے جس کا مقابلہ یہودیوں نے طاقت کے استعمال سے کیا۔ طاقت کے اس استعمال کا دائرہ اور اس میں پیچیدہ ہتھیاروں کے استعمال کی شدت اس قدر بڑھ گئی کہ فلسطین میں موجود برطانوی عسکری قیادت حکومت برطانیہ کو لکھنے پر مجبور ہوگئی کہ ''یہودیوں کو دی جانے والی مراعات کے باعث غیر یہودی آبادی ہماری جانبداری کی قطعی طور پر قائل ہوگئی ہے۔'' فروری ۱۹۲۱ء میں فلسطین میں آنے والے برطانوی تحقیقاتی کمیشن نے بھی اس اضطراب کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ یہ ''عام فساد نہیں''۔

معاملے کی نزاکت اور حالات کے بے قابو ہونے کے خطرے کو بھانپتے ہوئے تاجِ برطانیہ نے قرطاسِ ابیض (White Paper) میں اپنی پالیسی کا اعلان کیا جس میں عربوں اور یہودیوں کے ساتھ معاملات میں توازن قائم کرنے اور مشترکہ حکومت کے قیام کا عندیہ دیا گیا تھا۔ تاہم فلسطینیوں نے فوری طور پر قومی حکومت قائم کرنے کا مطالبہ پیش کر دیا کیونکہ ان کے نزدیک قرطاسِ ابیض کا مطلب یہ تھا کہ ''مشترکہ حکومت ایسے موقع پر قائم کی جائے گی جب یہودی آبادی تعداد اور قوت کے اعتبار سے اتنی زیادہ ہو جائے گی کہ ایسی حکومت کا کلی فائدہ صرف یہودیوں کو حاصل ہوگا اور اس سے پہلے ایسی حکومت کا قیام نظر نہیں آتا تھا''۔

اس صورتِ حال نے صیہونیوں اور فلسطین میں موجود برطانوی انتظامیہ کے اس یقین کو مزید پختہ کر دیا کہ لاکھوں یہودیوں کی فلسطین میں منتقلی اور آبادکاری مقامی آبادی کی طرف سے ہونے والی زبردست مزاحمت کا سامنا کیے بغیر ممکن نہ ہوگی۔ نتیجتاً مقامی یہودی آبادی اور صیہونی تنظیم نے اس مزاحمت کے مقابلہ کے لئے اپنے عسکری دستوں کو مزید مضبوط کرنا شروع کر دیا۔ بے شمار چھوٹے چھوٹے دہشت گرد گروہوں کے علاوہ برطانوی انتظامیہ کے تعاون سے چند منظم اور کلیدی عسکری تنظیمیں قائم کی گئیں جن میں قابلِ ذکر نام ہاشومیر، ارغون ژوائی لومی (جوارگن کے نام سے بھی جانی جاتی ہے)، لیحی (جوسٹرن گینگ کے نام سے مشہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئی) اور ہاغانا (جو بعد میں اسرائیلی دفاعی فوج میں تبدیل ہوگئی) ہیں۔ اگر چہ اس وقت تک یہ تنظیمیں کسی مشترکہ کمان کے تحت نہیں تھیں اور انہوں نے اسرائیل کے قیام تک اپنی اپنی الگ حیثیت اور تخریبی کارروائیاں برقرار رکھیں، تاہم مختلف دہشت گرد کارروائیوں میں یہ نہ صرف ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتی نظر آتیں بلکہ منظم اور بڑے معرکوں کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر مشترکہ کارروائیاں بھی کرتیں۔

ان عسکری تنظیموں نے یہودیوں کے مفاد میں چنے گئے علاقوں سے عربوں کو بے دخل کرنے اور صفِ اوّل کی صیہونی نوآبادیوں کی حفاظت کے لیے جارحانہ لڑائی کی حکمتِ عملی تشکیل دی۔ انہیں سیاسی وتزویراتی مقاصد یعنی اقتصادی افادیت، مقامی دفاعی ضروریات، آبادکاری کے حوالے سے مجموعی منصوبہ بندی جس کا مقصد ملک کے فیصلہ کن سیاسی حل کو سامنے رکھتے ہوئے تمام اہم علاقوں میں یہودیوں کی سیاسی موجودگی کو مستقبل کے حوالے سے صیہونی خواہشات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے یقینی بنانا تھا، اور بالآخر حتمی اور فیصلہ کن جنگ کی صورت میں عمارتی ڈھانچوں پر مشتمل نوآبادیوں کے کردار کو سامنے رکھتے ہوئے منظم کیا گیا۔

اس مجموعی حکمتِ عملی کے ذیل میں دور دراز علاقوں میں انفرادی یا چھوٹے چھوٹے مجموعوں کی صورت میں نوآبادیاں قائم کی گئیں جو ''جغرافیائی طور پر دور، مختلف علاقوں کے درمیان خاص زمینی رکاوٹوں اور آبادیاتی اعداد وشمار کی غیر یکسانیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے علیحدہ لیکن متوقع یہودی ریاست کی سیاسی حدود کے قریب تھیں۔ اس امر کو بھی یقینی بنایا گیا کہ ہر نوآبادی ہاغانا کے لیے حصار بند قلعہ کے طور پر کردار ادا کرنے کے قابل ہو۔ اس کے لئے صرف اقتصادی اور زرعی منصوبہ بندی کافی نہیں تھی چنانچہ عسکری منصوبہ بندی اور انتظامات کو بھی ساتھ لے کر چلنا ضروری سمجھا گیا اور اسے یقینی بنایا گیا کہ بجٹ 'تلوار اور کھیتی باڑی' دونوں کی ضرورت پوری کرے۔''

اس دوران یہودی آبادی ۱۹۱۷ء کی تعداد ۵۶،۰۰۰ (جو کہ کل آبادی کا دس فیصد تھی) سے بڑھ کر ۱۹۳۱ء میں ۱۷۴،۰۰۰ (سترہ فیصد) تک جا پہنچی۔ بڑھتی ہوئی یہودی نقل مکانی اور نوآبادیوں کی تعداد ایک طرف فلسطین میں عربوں کے وجود کو برقرار رکھنے کے حوالے سے ایک براہِ راست خطرے اور حملے کے طور پر تصور کی جارہی تھی، اور دوسری طرف برطانوی حکومت کی پالیسیوں کے تسلسل کی طرف اشارہ تھی۔ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رجحان نے عربوں میں شکوک وشبہات پیدا کیے جو بالآخر ان افواہوں کے باعث فسادات پر منتج ہوئے جن کے مطابق یہودی مسجدِ اقصیٰ پر حملہ کر کے اسے منہدم کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے جہاں وہ ستمبر ۱۹۲۸ء میں یہودیوں کے 'یومِ کفارہ' کے موقع پر دیوارِ گریہ کے گرد اجتماع کا دھوکہ دے کر یہودہ کا 'معبدِ کوہ' تعمیر کرنا چاہتے تھے۔

''پہلی مرتبہ فلسطین میں برطانوی ہائی کمشنر نے عربوں کے ان جذبات کو 'جذبۂ قومیت' کا نام دیا اور حکومت کو تولیت کی شقیں تبدیل کرنے کا مشورہ دیا، خصوصی طور پر ایسے نکات جن میں یہودیوں کو عربوں کے مقابلے میں مراعات دینے اور انہیں زمین خریدنے اور یہودی مہاجرت کی اجازت دی گئی تھی۔ فلسطین سے آنے والے ان حقائق کے جواب میں وہاں پیدا ہونے والی صورتحال کی تحقیق کے لیے جان ہوپ سمپسن کی سربراہی میں ایک شاہی کمیشن بھیجا گیا۔ اس تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ کو سامنے رکھتے ہوئے ایک اور قرطاسِ ابیض جاری کیا گیا جس میں یہودی مہاجرت پر جزوی اور یہودیوں کو زمین بیچنے پر کلی پابندی عائد کردی گئی۔

اس قرطاس ابیض کے شائع ہوتے ہی صیہونیوں نے ''طوفان بپا کردیا'' اور سیاسی اور عسکری حربے اس شدت کے ساتھ استعمال کیے گئے کہ برطانوی وزیراعظم نے صیہونی اور صیہونیوں کے حمایتیوں کی طرف سے آنے والے دباؤ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس نے یہودیوں سے وعدہ کیا کہ زمین بیچنے کے حوالے سے پابندی عارضی ہوگی اور یہودیوں کی مہاجرت پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہوگی۔

پابندیوں کا ہٹنا گویا سیلاب کے راستے سے رکاوٹ کا ہٹ جانا ثابت ہوا اور ۱۹۳۰ء کی دہائی کے آغاز سے وسط دہائی تک دنیا بھر، خصوصاً مغرب سے، یہودی مہاجرین کی ایک بہت بڑی تعداد فلسطین پہنچ گئی اور اس کے ساتھ ہی عرب مزاحمت کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

عربوں کی یہ مزاحمت برطانوی ہائی کمشنر کے مطابق خالص جذبۂ وطنیت کی بنا پر تھی جو یہودی مخالف سے زیادہ برطانیہ مخالف تھی۔ یہ مزاحمت اس وقت ملکی سطح پر مزید شدت اختیار کرگئی جب مغربی ممالک سے آنے والے یہودی مہاجرین کا اسلحہ کی سمگلنگ میں ملوث ہونے کا انکشاف ہوا۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء میں جعفہ میں ایک سیمنٹ کے کنستر کے ٹوٹنے پر اس میں سے سمگل شدہ اسلحہ برآمد ہوا جو فلسطین میں یہودی عسکریت پسندوں کے لیے مغربی ممالک سے لایا جارہا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۳۶ء کے آغاز سے ہی فسادات، قتل وغارت اور صیہونی دستوں اور عرب گوریلا کے درمیان ہونے والی لڑائی اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گئی۔ بتدریج قابو سے باہر ہوتی صورتحال نے ۱۹۳۷ء میں آنے والے برطانوی شاہی کمیشن (جو پیل کمیشن کے نام سے بھی جانا جاتا ہے) کو یہ لکھنے پر مجبور کردیا کہ عرب اور یہود کے درمیان مخاصمت ختم نہیں کی جاسکتی اور تقسیم فلسطین ہی اس مسئلے کا واحد حل ہے۔ فیصلہ کن تصفیہ کے نقطۂ نظر سے زمین ہموار کرنے کے لیے عربوں کو پرامن رکھنے کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے برطانوی حکومت نے ۱۹۳۹ء میں تیسرا قرطاس ابیض جاری کیا جس میں یہودی مہاجرت کو انتہائی محدود کرنے، یہودیوں کو دوردراز کے علاقوں میں آباد ہونے سے روکنے، ہاغاناکوتوڑنے اور مستقبل قریب میں مشترکہ حکومت قائم کرنے جیسے اہم پالیسی نکات شامل تھے۔

کل کے اتحادی، آج کے دشمن: صیہونی رہنماؤں نے محسوس کیا کہ ۱۹۳۹ء کا قرطاس ابیض یہودی ریاست کے قیام کی تحریک میں رکاوٹ ڈال سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ فلسطین سے یہودیوں کا وجود ہی ختم ہوجائے۔ اس خیال نے برطانوی انتظامیہ کے خلاف دہشت گرد کارروائیوں کا دروازہ کھولا۔ اگرچہ سالہاسال سے سرپرستی کرنے والی طاقت کے خلاف شدت پسند کارروائیاں اخلاقیات کے اصولوں کے منافی تھیں اور ایسے اقدامات اٹھانا کمال ڈھٹائی اور مجرمانہ دلیری کے بغیر ممکن نہیں ہوسکتا تھا، تاہم صیہونیوں نے اپنے عمل سے یہ واضح کردیا کہ عملی سیاست کے مقابلے میں سیاسی اخلاقیات کو خاطر میں نہ لانا ہی ان کا سیاسی اصول ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس قرطاسِ ابیض کے خلاف مہم کے لیے سیاسی اور عسکری دونوں میدانوں میں مستعدی سے تیاریاں شروع کردیں اور دہشت گرد گروہوں کی حفاظت میں غیرقانونی اسلحہ کی سمگلنگ، خفیہ مہاجرت اور ممانعت والے علاقوں میں بستیوں کی تعمیر کا عمل مزید تیز کردیا۔ اہم علاقوں میں سیاسی اور عسکری اثرورسوخ قائم رکھنے اور نئی تعمیر شدہ آبادیوں تک پھیلانے کے لیے ہاغانا کے دائرۂ عمل کو پھیلا دیا گیا۔ اس قسم کے پیچیدہ حالات میں عسکری تنظیموں کے استعمال نے یہودی عسکری نفسیات اور حکمتِ عملی کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ زمینی حقائق کی روشنی میں ہاغانا کی کمان نے مختلف علاقوں کی جغرافیائی خصوصیات کو سمجھنے، جامع منصوبہ بندی، تیزرفتار عسکری نقل وحرکت کی صلاحیت حاصل کرنے اور سادہ آٹومیٹک مشین گن کے زیادہ سے زیادہ استعمال پر اپنی توجہ مرکوز رکھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی موقع پر بڑے دہشت گرد گروہوں کے ایک مرکزی کمان کے تحت کام کرنے کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے صیہونی رہنماؤں نے غیر قانونی سول ہائی کمان کی بنیاد رکھی جسے قانونی طور پر تسلیم شدہ سیاسی اداروں اور چیف آف سٹاف کے زیر کمان (عسکری) جنرل سٹاف کی نگرانی میں کام کرنے کی ذمہ داری دی گئی۔ اس کا بنیادی مقصد فلسطین میں کام کرنے والے قانونی اور غیر قانونی عسکری گروہوں کو عموماً اور ہاغاناکو خصوصاً غیر فوجی سول قیادت کے زیر اطاعت لانا تھا۔

صیہونی رہنماؤں کو وسیع تر حکمتِ عملی ترتیب دینے، تنظیم سازی، منظم عسکری منصوبہ بندی، میدان جنگ میں عسکری چالوں کی ترکیب، اور ہاغانا کے لیے اسلحہ کی بروقت ترسیل اور اہتمام کرنے میں جن بہت سے عوامل نے اہم کردار ادا کیا ان میں سے چند قابل ذکر عوامل مندرجہ ذیل ہیں: پہلی جنگ عظیم میں برطانوی فوج کے زیرِ کمان لڑنے والے یہودی فوجیوں کا بڑی جنگ لڑنے اور عسکری حکمتِ عملی وضع کرنے کا تجربہ؛ فلسطین میں برسوں سے برسر پیکار دہشت گرد گروہوں اور گوریلا جنگ کے ماہر شدت پسندوں کی منظم یہودی دستوں میں شمولیت، برطانوی فوج اور سیاسی انتظامیہ کی مدد سے قائم کی گئی 'یہودی پولیس برائے نو آبادیات'، برطانوی کیپٹن اورڈے ونگیٹ (جو بعدازاں جنرل ونگیٹ کے نام سے مشہور ہوا) کی یہودی و برطانوی افراد پر مشتمل قائم کی گئی اسپیشل نائٹ اسکواڈ، اور قومی یہودی فنڈ سے خریدے گئے اور مغرب سے آنے والے یہودی مہاجرین کے سامان میں چھپا کر لگاتار سمگل کیے جانے والے اسلحہ اور گولہ بارود کا ذخیرہ۔ ایسی تمام عسکری تیاریوں کے باوجود صیہونی راہنما اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ برطانوی فوجوں کی موجودگی میں عربوں اور یہودیوں کے درمیان بھرپور تصادم ممکن نہیں چنانچہ انھوں نے مختلف قانونی اور غیر قانونی عسکری دستے گوریلا جنگ کے لیے منظم کر لیے۔ ان دستوں کو مختلف جغرافیائی خصوصیات میں بسنے والے دشمن کے ساتھ مقابلے کے لیے تربیت دی گئی جس میں خصوصی طور پر چھاپہ مار کارروائیاں، شبخون مارنا، حملے کو پسپا کرنا، اور عسکری یا سیاسی ضرورت کے تحت سرعت کے ساتھ بکھر جانا شامل ہے۔

اس کے علاوہ یہودی اکثریتی آبادی والے دیہاتوں اور آبادیوں کو دشمن کے حملے سے محفوظ رکھنے کے لیے خاص طور پر تیار شدہ ایسے عمارتی یونٹس کی تنصیب کی گئی جن کی خصوصیت یہ تھی کہ عام حالات میں وہ مہاجرین کے لیے رہائشی عمارتوں کا کام دیتے اور تصادم کی صورت میں ہاغانا کے لیے قلعوں اور مورچوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صورت میں استعمال ہو سکتے تھے۔اس مقصد کے لیے ان پر حفاظتی اور نگرانی کے نقطۂ نظر سے مینار بنایا گیا، بلٹ پروف دیواریں اور گولیاں چلانے کے لیے درزیں بنائی گئیں۔ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۳۹ء کا دور ابتدائی نو آبادیوں کے قیام اور کم محفوظ علاقوں تک عسکریت پسندوں کی رسائی کے حوالے سے عروج پہ رہا۔اس طرح پورے ملک میں پھیلی یہ نو آبادیاں یہودی عسکریت پسندوں کے لیے چھاؤنیوں اور قلعوں کے طور پر دشمن پر آسانی سے حملے کرنے کے لیے تیار تھیں۔تاہم اسی دوران دوسری جنگِ عظیم چھڑنے سے صیہونی تحریک کے سامنے ایک نئی الجھن پیدا ہوگئی جس کا کوئی فوری حل نظر نہ آتا تھا اور وہ یہ کہ برطانیہ یہودیوں کے یورپی دشمن نازی جرمنی کے خلاف برسرِ پیکار تھا اور ایسے موقع پر یہودیوں کی برطانیہ کے خلاف فلسطین میں لڑائی مشرقِ وسطیٰ میں عسکری لحاظ سے اہم فوجی اڈوں پر برطانیہ کی گرفت کمزور کر کے ہٹلر کو فائدہ پہنچا سکتی تھی۔لیکن اگر وہ برطانیہ کے خلاف محاذ بند کر دیں تو اسے قرطاسِ ابیض کے حوالے سے یہودیوں کی رضامندی تصور کیا جا سکتا تھا۔اس مخمصہ سے نکلنے کے لیے یہودیوں کے اہم ترین راہنما ڈیوڈ بین گوریان نے اپنی مشہور حکمتِ عملی کا اعلان کیا۔اس کا کہنا تھا ''ہم جرمنوں سے ایسے لڑیں گے جیسے قرطاسِ ابیض کا وجود ہی نہ ہو اور ہم قرطاسِ ابیض کے خلاف ایسے برسرِ پیکار ہوں گے جیسے کہ جرمنوں کا وجود ہی نہیں ہے۔''

اس موقع پر صیہونی رہنماؤں نے یہ بھی محسوس کیا کہ فلسطین میں قومی وطن کی تحریک کی سرپرستی کے لیے انہیں کسی متبادل عالمی قیادت کی حمایت حاصل کرنا بھی ضروری ہے اور اس دور میں سب سے بہترین انتخاب ابھرتی ہوئی سپر پاور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔صیہونی تحریک کے تمام اہم رہنماؤں نے، خصوصاً بین گوریان جو بعد ازاں اسرائیل کا پہلا وزیر اعظم بھی بنا، امریکی معاشرے کے تین اہم حصوں، یعنی امریکی حکومت، امریکہ میں بسنے والے یہودیوں، اور عوام کی حمایت اور ہمدردی حاصل کرنے کے لیے زبردست مہم چلائی۔ان کوششوں کو امریکی یہودی عوام کی فلسطین میں یہودی وطن کے قیام کی تحریک میں براہ راست شمولیت کا نقطۂ آغاز کہا جا سکتا ہے۔نازیوں کے جابرانہ رویے نے امریکہ میں بسنے والے یہودی رہنماؤں اور صیہونی گروہوں کے دلائل کو مزید تقویت دی اور ان کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کا معاملہ نسبتاً آسان بنا دیا جس کے باعث امریکی حکومت پر برطانیہ کے قرطاسِ ابیض کی پالیسی کے خلاف بیان جاری کرنے کے حوالے سے خاطر خواہ دباؤ بڑھ گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس دوران ہاغانا نے اگلے مورچوں پر اتحادی افواج کے شانہ بشانہ لڑنے کے لیے نو (۹) دستے تشکیل دیے جن کا کام جاسوسی کرنا بھی تھا۔ اس کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں یہودی نوجوانوں نے برطانوی فوج میں براہِ راست بھرتی کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا۔ ان تجربوں نے یہودی عسکریت پسندوں کو قوت کے حوالہ سے عدم توازن کے باوجود بڑے پیمانے پر جنگ لڑنے کا گر سیکھنے کا موقع فراہم کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں یہ موقع بھی مل گیا کہ ان عسکری دستوں کو استعمال کرتے ہوئے دور دراز کے فلسطینی علاقوں میں مضبوط بنیادوں پر اپنی آبادیاں قائم کریں جو مستقبل کی یہودی ریاست کی سرحدوں کا تعین کرنے میں مدد دیں۔ یہاں یہ ذکر کرنا بھی اہم ہے کہ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۷ء تک فلسطین میں یہودی آبادی تین لاکھ چوراسی ہزار (۲۸ فی صد) سے بڑھ کر چھ لاکھ چالیس ہزار (۳۳ فی صد) تک پہنچ گئی تھی۔

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے اور اتحادی فوجوں کی کامیابی کے بعد قانونی اور غیر قانونی عسکری دستوں نے چار محاذوں پر لڑائی کا سلسلہ شروع کیا: برطانوی فوج اور انتظامیہ کے خلاف گوریلا اور دہشت گرد کارروائیاں تاکہ ان کے اختیارات پر زد لگائی جائے اور قرطاس ابیض کی پالیسی پر عمل درآمد سے روکا جاسکے؛ یورپ سے آنے والے غیر قانونی تارکین کو آباد کرنا؛ پہلے سے قائم شدہ نو آبادیوں کی حفاظت کے انتظام کو مستحکم کرنا اور ممنوعہ علاقوں میں غیر قانونی نو آبادیاں قائم کرنا؛ عسکری یا مالی طور پر حاصل کیے گئے علاقوں سے عربوں کو طاقت کے زور سے بے دخل کرنا اور عرب گوریلوں سے مقابلہ کرنا۔

اس پورے عرصے میں ہاغانا کی عسکری لیڈر شپ نے یہ حکمتِ عملی مستقل طور پر اپنائے رکھی کہ دور دراز کی نو آبادیوں پر کسی بھی صورت حال میں اپنی گرفت مضبوط رکھی جائے جس کی بنیاد پر انہیں بھرپور تصادم کی صورت میں جارحانہ کارروائی کرنا آسان ہو اور شہروں میں بسنے والے یہودیوں پر حملوں کے دباؤ کو کم کیا جاسکے۔ چنانچہ منصوبہ بندی کے طور پر یہودی دہشت گرد گروہوں نے برطانوی انتظامیہ کے زیرِ استعمال املاک کو دھماکوں سے اڑانے، برطانوی اہلکاروں اور فلسطینی رہنماؤں کو نشانہ بنا کر قتل کرنے اور فوجی گوداموں پر حملے کر کے اسلحہ و بارود لوٹنے کا سلسلہ جاری رکھا۔

اس کے علاوہ یہودی آبادی سے تمام اہل مردوں اور عورتوں کو عسکری تربیت کے لیے بھرتی کیا گیا، انھیں مختلف قسم کے اسلحہ اور دھماکہ خیز مواد کو استعمال کرنے کی تربیت دی گئی۔ چھوٹے دستوں اور گوریلا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گروہوں کو مرکزی کمان کے تحت منظم کیا گیا اور برطانوی فوج میں خدمات سرانجام دینے کے بعد فلسطین آنے والے یہودی فوجیوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر کے شامل کیا گیا۔ ان تمام تیاریوں کو مکمل کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا گیا کہ یہودی ریاست کے قیام کے لیے آخری معرکہ لڑنا پڑے یا ملکی، علاقائی یا عالمی سطح پر کسی غیر متوقع صورتحال پیدا ہو تو یہ دستے ایسے وقت کی ضرورتوں کو پورا کر سکیں۔

آخری جنگ: اقوام متحدہ میں مسئلہ فلسطین پر ہونے والی سیاسی کشمکش کے دوران خصوصاً ۱۹۴۷ء میں عرب یہودی فسادات تشویش ناک حد تک تشدد اور خون خرابے کا رنگ اختیار کر گئے۔ سمگل شدہ اسلحہ سے لیس ہاغانا، سٹرن گینگ، ارغون اور چند دوسرے یہودی دہشت گرد گروہوں نے مستقبل میں متوقع یہودی ریاست کی حدود کے اندر اور باہر پہلے سے طے شدہ منصوبوں کے تحت کارروائیاں شروع کر دیں۔ یہ منصوبے جارحانہ دفاع کے اصول پر مبنی تھے جن کا مقصد ''یہودی ریاست کے علاقوں کو اپنے تصرف میں لینا...... دیہاتوں کو تباہ کرنا (آگ لگانا، دھماکے سے اڑانا اور ملبے میں بارودی سرنگیں بچھانا)...... مزاحمت کی صورت میں عربوں کے عسکری گروہوں کو تباہ کرنا اور عرب آبادی کو (یہودی) ریاست کی سرحدوں سے بے دخل کرنا تھا۔

یہی نہیں، بلکہ جو گاؤں ''۱۹۴۸ء کی جنگ کے دوران یہودی بستیوں اور فلسطینی دیہاتوں کے درمیان ہونے والے عدم جارحیت اور اچھی ہمسائیگی کے زبانی معاہدہ'' کے تحت بھی آتے تھے، انہیں بھی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ خصوصاً شیخ مونس، دیر یاسین، زرنوقہ، ابوزریق، اور قیصریہ ایسے گاؤں تھے جن کے یہودی بستیوں کے ساتھ ہمسائیگی کے اچھے تعلقات تھے۔ ان دیہاتوں کے فلسطینیوں کو بے دخل کیا گیا اور بے رحمی سے قتل کیا گیا۔ مثال کے طور پر ۹ اپریل ۱۹۴۸ء کو دیر یاسین کے ۳۰۰ بچوں، عورتوں اور مردوں کا سفاکانہ قتل عام کیا گیا۔ (Sacred Landscape: The Buried History of the Holy Land) کے مصنف میرون بینوینیسٹی دل دہلا دینے والے دہشت گردی کے ان واقعات کی تفصیل یوں لکھتے ہیں:

''علاقے کے چند دیہاتوں کے ہمسایہ یہودی بستیوں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم ہو چکے تھے یہی نہیں بلکہ انہوں نے بالادستی تسلیم کرتے ہوئے یہودی حکومت کے تحت رہنے کی بھی خواہش ظاہر کی تھی۔ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب کے باوجود (اور حتیٰ کے بہت سے دیہاتوں نے سرنڈر کرتے ہوئے ہتھیار بھی حوالے کر دیئے تھے) ان دیہاتوں کے رہنے والوں کو اسلحہ کے زور پر اور نفسیاتی حملے کر کے بے دخل کر دیا گیا۔ زرنوقہ کے بڑے دیہات میں انتہائی بے رحمی کا مظاہر کیا گیا...... اس کا اصل مقصد عرب دیہاتوں سے بدلہ لینا تھا ...... [دستوں کے کمانداروں نے] اپنی پرانی ناکامیوں کا داغ دھونے اور انتقام کے جذبات سے بھرپور حکم دیا: الکابری، ام الفرج اور النہر کے دیہاتوں پر قبضہ کرنے، مردوں کو قتل کرنے اور دیہاتوں کو آگ لگانے کے لیے چڑھ دوڑو!''

''بے گھر لوگوں کے لیے بے آباد زمین'' میں وطن کے قیام کے لیے بپا کی جانے والے صیہونی جنگ کے اس نازک اور اہم ترین مقام پر طاقت کے استعمال کی حکمت عملی یہودی دہشت گرد گروہ لیحی کی طرف سے واشگاف الفاظ میں آئی جس نے اپنے کارکنوں میں یہ تحریک پیدا کی کہ وہ مارچ ۱۹۴۸ء میں عربوں اور یہودیوں کے درمیان بڑھتی ہوئی نفرت اور کشیدگی سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ فلسطینی عوام پر سفاکانہ حملے لیحی کے ان احکامات کی عملی تمثیل تھی: ''مہذب رویے کی کوئی گنجائش نہیں ہے...... عرب دشمن کو ایسے مقام پر ضرب لگاؤ جہاں تکلیف شدید ترین ہو۔ اور اگر وہ حیفا میں کمزوری دکھائے تو اسے وہاں امن سے نہ رہنے دو۔ اس کی تجارت تباہ کر دی جائے اور ہزاروں کی تعداد میں اس کے لوگوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا جائے۔ ان کا بوجھ نابلوس، الناصرہ اور جنین کو اٹھانے دو'' ان منصوبوں اور احکامات پر عملدرآمد کے نتیجہ میں لاکھوں کی تعداد میں فلسطینی بے گھر کر دیئے گئے۔

سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے تشدد کے استعمال کی یہ حکمتِ عملی اسرائیل کی آنے والی قیادت کو بہ حسن وخوبی منتقل کی گئی جس کی بازگشت اسرائیلی وزرائے اعظم اور اہم رہنماؤں کے بیانات میں مسلسل سنائی دی جاتی ہے۔ جیسا کہ:

''ہم پیدل چلتے باہر جا رہے تھے، بین گوریان ہمارے ساتھ تھا۔ ایلن نے اپنا سوال دہرایا کہ فلسطینی عوام کا کیا کرنا ہے۔ بین گوریان نے ہاتھ کی حرکت سے جواب دیا، انہیں دھکے دے کر نکال دو۔''

یتزک رابن، سابق اسرائیلی وزیراعظم

۲۳ اکتوبر، ۱۹۷۹ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''ہم پہاڑ کی اِن بلندیوں سے اور ہزاروں سال کی تاریخ کے تناظر میں اُن (فلسطینیوں) سے کہتے ہیں کہ وہ ہمارے مقابلے میں ٹڈوں کی مانند ہیں...... جو بھی اس قلعہ یا دوسرے قلعوں کو جو ہم قائم کر رہے ہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا اس کا سر دیواروں اور چٹانوں پر مار مار کر کچل دیا جائے گا۔''

یتزک شمیر، سابق اسرائیلی وزیر اعظم

یکم اپریل، ۱۹۸۸ء

''ہم میں سے ہر ایک کو حرکت کرنی پڑے گی، دوڑنا ہوگا اور جتنا ممکن ہو سکے یہودی بستیوں کو بڑھانے کے لیے فلسطینیوں کی زمینوں اور چٹانوں پر قبضہ کرنا ہوگا کیونکہ ہم اِس وقت جو کچھ ہتھیالیں گے وہ ہمیشہ کے لیے ہمارا رہے گا...... جو ہم ہتھیا نہ سکے وہ ان (فلسطینیوں) کا ہو جائے گا۔''

ایریل شیرون، سابق اسرائیلی وزیرِ خارجہ

۱۵ نومبر ۱۹۸۹ء

چنانچہ اسرائیل کے قیام کے بعد بھی صیہونی راہنما طاقت کے منہ زور استعمال سے کبھی نہیں گھبرائے۔ بعد ازاں ہونے والی جنگوں اور لبنان، مشرقی کنارے، غزہ اور فلسطینی کیمپوں پر لشکر کشی کے ذریعے اسرائیل اپنی سرحدیں اقوام متحدہ کے تقسیم فلسطین پلان میں اعلان کی گئی حدود سے کئی گنا زیادہ پھیلاتا رہا۔ عالمی، خصوصاً مغربی، طاقتوں نے مالی و فوجی امداد کے ذریعے اسرائیل کی فوجی قوت کو اس حد تک بڑھایا ہے کہ اب اس کا شمار دنیا کی چند بڑی اور ترقی یافتہ فوجوں میں ہوتا ہے۔

روایتی عسکری قوت کے علاوہ اسرائیل کے پاس نہ صرف جوہری صلاحیت ہے بلکہ جوہری ہتھیاروں کو لے جانے والے جدید ذرائع بھی موجود ہیں۔ اسرائیلی دفاعی فوج (اسرائیل ڈیفنس فورس) کے جنگ و جدل اور لشکر کشی کے غیر معمولی رجحان کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا بعید از قیاس نہیں کہ اسرائیل کسی نہ کسی مسئلہ کا بہانہ بنا کر مستقبل میں بھی جارحانہ اقدام اٹھاتا رہے گا۔

حاصل کلام

فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام کی لڑائی میں یہودیوں کی طرف سے طاقت کا استعمال اور دشمن کے خلاف پرتشدد کارروائیاں نہ تو کوئی حادثاتی مظہر ہے اور نہ ہی ردِ عمل کا اظہار ہے۔ سلطنت عثمانیہ کے دور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں یہودی دہشت گرد گروہوں کا قیام، برطانیہ کی مدد سے عسکری گروہوں کی تشکیل، اسلحہ کی سمگلنگ، بڑے پیمانے پر خوف پھیلانے کے لیے طاقت کا بے دریغ اور بے جا استعمال اور اسلحہ کی قوت کے زور پر مقامی فلسطینیوں کو ان کی زمینوں اور گھروں سے بے دخل کرنا یہودی رہنماؤں کی نفسیات کی عکاسی کرتے ہیں جو کہ ایک سوچی سمجھی حکمت عملی کے طور پر رُو بہ عمل ہے۔ طاقت کے استعمال کی اس نفسیات کا بنیادی سبب یہ ہے کہ فلسطین ایک بے آباد ملک نہیں تھا اور مقامی لوگوں کی آباد زمین پر غیر ملکیوں کی ریاست قائم کرنا تب تک منطقی لحاظ سے ناممکن ہے جب تک مقامی آبادی کو ان کی زمینوں اور گھروں سے بے دخل نہ کر دیا جائے جس کے لیے بے لگام اور بے حساب قوت کے استعمال کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ حقیقت بین گوریان کے اس بیان سے بھی واضح ہوتی ہے جس میں وہ کہتا ہے:

''اگر میں ایک عرب لیڈر ہوتا، میں کبھی اسرائیل سے تعلقات استوار نہ کرتا۔ یہ نہایت قدرتی بات ہے۔ ہم نے ان کا ملک چھینا ہے۔ یقیناً خداوند نے مجھ سے وعدہ کیا تھا، لیکن اس (وعدہ) سے انہیں (عربوں کو) کیا سروکار؟ ہمارا خداوند ان کا نہیں ہے۔ ہم اسرائیل کی نسل سے ہیں، یہ ایک حقیقت ہے، لیکن دو ہزار سال پہلے - اور اس سے ان (عربوں) کا کیا تعلق؟ یہودی مخالفت ہوئی ہے، نازی، ہٹلر، اور اوش وِٹز (سب حقیقت ہے) لیکن کیا یہ ان (عربوں) کا قصور ہے؟ انہیں صرف ایک چیز نظر آتی ہے: ہم یہاں آئے اور ان کا ملک غصب کر لیا۔''

اس احساس کے پیش نظر بین گوریان نے ۱۹۴۸ء میں کہا تھا:

''ہمیں الجلیل کو عرب آبادی سے پاک کرنے کے لیے دہشت پھیلانا، خفیہ طریقوں سے قتل کرنا، دھمکیوں سے مرعوب کرنا اور شہری سہولتوں کی ناکہ بندی کرنا ضروری ہے۔''

اسرائیل کی عسکری نفسیات کی تخلیق کے عمل سے واضح ہوتا ہے کہ دشمن کے خلاف طاقت اور تشدد کا بے دریغ استعمال نہ صرف آسان ہو جاتا ہے بلکہ اخلاقی طور پر جائز ہو جاتا ہے اگر اس کے لیے مذہبی فریضہ، نظریاتی ناگزیری اور نسلی برتری کے اصولوں سے دلائل کی عمارت تعمیر کی جائے۔ اس پس منظر میں فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام کے مضمرات اس سے مختلف نہیں جو ویٹیکن سٹی میں اسلامی ریاست قائم کرنے کے ہو سکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چنانچہ یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ فلسطینی سرزمین کے معاملے میں یہودی-عرب دشمنی صرف ارضی سیاست کا جھگڑا نہیں ہے جسے محض 'یہودی نوآبادیات' کے مسئلہ کو حل کرکے یا فلسطینیوں سے چھینی گئی زمین کا کچھ حصہ انہیں واپس کرکے ختم کیا جاسکتا ہے۔ اس تناظر میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مسئلہ فلسطین کے منصفانہ حل کے بغیر مستقبل میں بھی جنگ کے امکانات اور شہری ہلاکتوں کے خطرات مشرقِ وسطیٰ پر منڈلاتے رہیں گے۔

© rasailojaraid.com